گجرات میں ظروف سازی ابتدا تا عصرِ حاضر

تہمینہ علی
ایسوسی ایٹ پروفیسر فنون لطیفہ
گورنمنٹ اسلامیہ کالج برائے خواتین، کوپر روڈ، لاہور

TRADITION OF POTTERY MAKING IN GUJRAT

Tehmina Ali
Associate Professor of Fine Arts
Govt Islamia College (W) Cooper Road, Lahore

Abstract

Since the age of settlement, potters hold important role in every ancient society of the world because, among all the functional ware, clay pottery is the earliest and the most requisite creation of man for processing food. The sumptuary terracotta pottery of Gujrat created by the common man for the commoners expressing his aesthetic and artistic sense mingled with warmth of folk ethos still excites admiration. Through this study the evolution of terracotta pottery of Gujrat is viewed in historical and cultural milieu.

Keywords:

گجرات، ظروف سازی، جنوبی ایشیا، پنجاب، کمھار، خلاصۃ التواریخ

قدیم انسان کی صعوبتوں بھری زندگی میں پیٹ بھرنے کے لیے جانوروں کا شکار اور پھل اور سبزیوں کا حصول مشکل تو تھا مگر ان اشیائے خورونوش کی ترسیل اور ذخیرہ ایک بڑا مسئلہ تھا۔ گھاس پھوس کی ٹوکریاں اور پھر کچی مٹی کے برتن اور اس مٹی کو پکا کر برتن بنانے کے تجربات اور بار بار کی گئی نقل مکانی نے ان کے شعور کو پختہ کیا اور انھیں خاندان بنانے، ریوڑ جمع کرنے، اناج اگانے اور بستیاں بنانے میں افادیت نظر آنے لگی۔ اپنی چھوٹی سی معاشرتی زندگی کو منظم کرنے اور سہل بنانے کے لیے کاموں کی تقسیم کی۔ قبیلے کے جو افراد مٹی کے برتن بنانے میں دلچسپی رکھتے تھے "کمھار" کہلائے۔ کمھار مٹی کی پیٹیاں جوڑ جوڑ کر روحانی آسودگی اور فنکارانہ ذوق کی تسکین کی خاطر دیوی دیوتاؤں کے بت بناتے اور مذہبی رسوم میں استعمال ہونے والے برتن بناتے، لکڑی کے چاک کو گھما کر اپنے ہاتھوں کی جنبش سے گیلی مٹی کے خوبصورت برتن ڈھالتے جسے بھٹی میں پکا کر قبیلے کے لوگوں میں تقسیم کر دیتے۔ یہ ٹیکنالوجی کی ابتدا تھی جس نے انسان کی سماجی، مذہبی اور روحانی زندگی میں اہم کردار ادا کیا۔

جنوبی ایشیا میں جب انسانی تہذیب نے تمدن کو اپنایا تو ہندو معاشرے میں تقسیم کار کو مذہبی بنیادوں پر استوار کر کے ذات پات کا درجہ دے دیا۔ چونکہ ہندوستان بنیادی طور پر زرعی ملک تھا، اس لیے صنعت و حرفت سرمایہ ٹھہری۔ چھوٹی بڑی ریاستوں میں گاؤں اور شہر بساتے ہوئے سب سے پہلے "دیہی ملازمین" کو بسایا جاتا جو پنجاب میں کمی کہلائے۔ یہ کمی حجام، دھوبی، ماچھی (نان بائی) تھے اس کے علاوہ جولاہے، کمھار، ترکھان اور لوہار وہ کمی تھے جن کا تعلق حرفت سے تھا جو نسل در نسل زمینداروں سے سالانہ اناج، کپڑا اور مکان کے عوض اپنی خدمات پیش کرتے تھے۔ زمیندار انھیں تحفظ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ بے دخل کرنے کا حق بھی رکھتے تھے۔ ہندو معاشرے میں مذہبی اور طبقاتی تقسیم کے باعث ان کا شمار کم تر طبقے میں ہوتا تھا۔ بعد میں اس کے زیر اثر مسلمان کمھار بھی معاشرے میں اپنا مقام ضروری ہونے کے باوجود عزت اور عشرت کی زندگی بسر نہ کر سکے۔ دیہی علاقوں میں لال مٹی کے برتن، کھلونے اور بت بنانے والے کو کمہار کہتے تھے۔ سنسکرت میں گو کا مطلب برتن اور گومبا برتن بنانے والا اور کلال یعنی لال برتن بنانے والا کہلائے مگر عرف عام میں ہندو مسلمان دونوں کمھار ہی کہلائے۔ کلال دراصل گجرات کے بھانڈیا مراثی تھے جو کمھاروں کے رشتے طے کراتے تھے اور ان کی شادیوں میں ناچتے گاتے تھے۔(۱) فارسی کے الفاظ سفال گر، کوزہ گر اور کاشی گر بھی ان کمھاروں کے لیے استعمال ہوئے جو شہروں میں سفید مٹی پر رنگین بیل بوٹے بناتے۔ کمھاروں نے خود کو 'رحمانی' کا نام دیا۔ جیسے اللہ یا رحمٰن انسانوں کو پیدا کرتا ہے ویسے یہ انھی چار عناصر یعنی ہوا، آگ، پانی اور مٹی سے برتن بناتے ہیں۔ یہ نام "کمی" کا طوق ہٹانے اور معاشرے میں باعزت مقام پانے کے لیے دیا۔

زرعی معاشرے میں ہر طرح کی ضرورت اپنے گرد و پیش پھیلے ہوئے کھیتوں درختوں پانی اور مٹی سے پوری کی جاتی تھی۔ برتن بنانے کے لیے مختلف اقسام کی مٹی وافر مقدار میں مفت دستیاب تھی۔ مٹی نے دیہاتیوں

کی ہر ضرورت پوری کی اور ان کی مٹی سے جذباتی وابستگی ایسی تھی کہ انھوں نے دھرتی کو ماں کا درجہ دیا۔ بھوسہ ملی مٹی سے بنے گھر، تندور، چولہے، جانوروں کو چارہ ڈالنے اور پانی پلانے کے لیے کھرلی بنائی گئی۔ پانی اور اناج ذخیرہ کرنے کے پکائی ہوئی مٹی (Terra cotta) کے بڑے بڑے گھڑے اور گودام (پڑوھلے)، غرض مٹی کے برتن ہر مقصد کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ ہند کی ثقافتی زندگی میں مٹی کے برتنوں کی اہمیت برطانوی برتن ساز اور مصنفہ جان پیریمان اس طرح بیان کرتی ہیں:

> ''پیدائش سے لے کر جوانی، شادی سے موت تک ہر ضرورت اور ہر رسم میں مٹی کے برتنوں کا استعمال ناگزیر ہے۔ زمین ہمارے آبا و اجداد کی باقیات سمیٹے ہوئے ہے۔ وہ آئندہ بھی مرنے والوں کے جسم وصول کرتی رہے گی۔''(۲)

خرابات میں بکھرے یہ مٹی کے برتنوں کے ہی ٹکڑے تھے جو ٹیلوں میں دفن گم گشتہ تہذیبوں کو جاننے کے لیے ماہرین آثار قدیمہ کے بہترین معاون بنے۔ اس کی مثال وادیِ سندھ کی تہذیب کی عظیم دریافت ہے۔ وسطی پنجاب میں ہڑپہ سے ۲۹۶ کلومیٹر دور اور گندھارا کی تہذیب کے صدر مقام ٹیکسلا سے ۲۱۲ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے چناب اور دریائے جہلم کے درمیان گجرات کا تاریخی ضلع ہے جو جغرافیائی طور پر ان تہذیبوں سے جڑا ہے۔ گنگا کی وادیوں، پوٹھوہار، کشمیر اور پنجاب کے شہروں کو ملاتی قدیم بین الاقوامی شاہراؤں اور ذیلی سڑکوں کے چوراہے پر کھڑا گجرات شمال میں پنجاب کا آخری میدانی علاقہ ہے اور ہمالیہ کے دامن میں بھیلی وادیِ کشمیر کی سرحد سے جاملتا ہے۔(۳)

سر راہ ہونے کی وجہ سے کئی حملہ آور فاتحین کی گزرگاہ رہا ہے، آریا، ھخامنشی، یونانی، انڈو سائھین، منگول، مغل، عرب، ترک، افغانوں اور انگریزوں کے ہند پر تسلط کی وجہ سے ان کے تہذیبی اثرات اس علاقے کے لوگوں کی رہن سہن، ثقافت اور دستکاریوں اور روزمرہ کے استعمال کی چیزوں پر کسی حد تک نظر بھی آتے ہیں۔ ماضی کے دور میں چھٹ دوآب اور چج دوآب کہلانے والا ضلع گجرات کا زرعی علاقہ دیہی اور شہری زندگی کا مرقع ہے۔ قدیم زمانے سے کشمیر سے بہنے والے ندی نالوں اور دریاؤں کے کنارے ہرے بھرے کھیتوں سے گھرے گاؤں اور قصبوں سے ملحقہ ٹیلوں کا جائزہ لیا جائے تو وہ کسی مٹتی ہوئی شاہراہ، سوکھی ندی، اور نوگزہ پیر کے مقبرے سے آباد روایتی پنجابی گاؤں کا منظر نامہ پیش کرتے ہیں۔

یوں تو سارا پنجاب ایک بنیادی ثقافتی تانے بانے میں جڑا ہے مگر تھوڑا تھوڑا علاقائی فرق اس وحدت میں ندرت پیدا کرتا ہے۔ گجرات نا صرف جغرافیائی اور تاریخی لحاظ سے اہم ہے بلکہ صنعت و حرفت کے میدان میں اپنی حیثیت منوائے ہوئے ہے۔ خصوصاً برتن سازی کے حوالے سے مغل دور میں پہلی بار کھارن سوہنی اور مہیوال کی رومانی داستان کی وجہ سے منظرِ عام پر آیا اور آج بھی گجرات ظروف سازی میں خاص اہمیت رکھتا ہے

خاص طور پر کاغذی پیالہ گجرات کی شناخت کے طور پر جانا جاتا ہے۔اس تحقیق کا مقصد یہ جاننا بھی ہے کہ عام آدمی کے ہاتھ سے بنے ہوئے معمولی سے برتن، گزرے وقت کے ساتھ کئی دیرپا اور نفیس اقسام مثلاً دھات، چینی مٹی، شیشہ اور پلاسٹک سے بنے خوبصورت برتنوں کے مقابلے میں اپنی اہمیت کیسے برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ گجرات کی سرزمین پر بننے والے برتنوں کی ابتدائی اشکال اور استعمال کے بارے میں حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے کیونکہ محکمہ آثار قدیمہ نے ان کھنڈرات اور ٹیلوں کی سائنسی بنیادوں پر کھدائی نہیں کی۔مگر برتن سازی کے عمل کو ثقافتی اور تاریخی تناظر میں دیکھنا ضروری ہے۔

۶۰ ۴ قبل مسیح میں گنگا کی وادی سے آئے راجہ بچن پال سورج بنسی کے دریائے چناب کے سرسبز مغربی کنارے پر بسائے شہر اودھے نگری پر (موجودہ شہر گجرات) جو راجہ پوروا (پورس) کی مضبوط ریاست پوروات (موجودہ ضلع گجرات) میں بدل چکی تھی۔ ۳۲۷ قبل مسیح میں یونانی بادشاہ سکندر اعظم نے دریائے جہلم پار کر کے حملہ کر دیا۔ جنگ کی جگہ کا تعین کرنے کے لیے برطانوی دور کے فوجی انجینئر اور ماہر آثار قدیمہ سر الگزینڈر کننگھم نے اس علاقے کا دورہ کیا تو دریائے جہلم کے دونوں اطراف کی تباہ شدہ بستیوں میں بے شمار مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے دیکھے (۴) جو اس بات کا واضح ثبوت تھے کہ علاقے میں مٹی کے برتن بکثرت استعمال ہوتے تھے۔جارج واٹس اور پرسی براؤن نے اس قدر زیادہ تعداد میں برتنوں کے ٹکڑے ملنے کی وجہ یہ بھی بیان کی ہے:

> ''ہندوؤں کے خیال کے مطابق مٹی کے برتن جراثیم یا بری آتماؤں سے آلودہ ہو جاتے ہیں اور پیتل کے برتن کی طرح مانجھ کر صاف نہیں کیے جا سکتے۔اس لیے وہ مٹی کے برتن زیادہ دیر استعمال نہیں کرتے تھے اور ایک مخصوص اجتماعی تقریب میں مذہبی رسم کے طور پر برتنوں کو توڑ کے پھینک دیتے تھے۔ہندو کمھاروں نے کھانے پینے کے برتن بنانے کی بجائے مرتبان بنانے میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں جس میں وہ اناج، مصالحہ جات اور اچار وغیرہ ذخیرہ کرتے تھے۔ اور ان اشیاء کو محفوظ کرنے کے لیے مرتبان پر لاکھ کا روغن لگا دیتے تھے۔'' (۵)

ہندستان میں اسلامی ریاست کے قیام سے ثقافت، رہن سہن اور دستکاریوں میں واضح انقلاب آیا۔ وسطی ایشیا سے آئے مسلمان حکمرانوں نے لاکھ کے روغن سے زیادہ پائیدار، خوبصورت اور رنگین کانچ یا شیشہ چڑھی Glazed Pottery متعارف کرائی جو تاریخ دانوں کی متفقہ رائے کے مطابق مسلمانوں کی ایجاد تھی جو انھوں نے اسلامی دنیا کی مسجدوں اور مقبروں کی دیواروں پر لگی سجاوٹی Glazed Tiles سے اخذ کی تھی۔ فیروزی، نیلے، سفید اور سبز اقلیدسی نمونوں اور بیل بوٹوں سے مزین برتن بنانے کی روایت بلیو پاٹری کی صورت آج بھی ملتان اور ہالہ کے کوزہ گروں نے قائم کر رکھی ہے۔(۶) مگر عام مسلمانوں کی اکثریت مٹی کی سچے،

کورے، ٹھنڈے اور معدنیات سے بھرپور برتنوں میں پیا اور کھانا صحت افزا خیال کرتی تھی۔

ہندوستان پر مسلم حکمرانی کے تسلسل میں مغل سلطنت کے تیسرے بادشاہ جلال الدین محمد اکبر نے کشمیر جاتے ہوئے اودھے نگری کے قریب پڑاؤ کیا تو اسے جاٹ اور گجر قبائل کی چراگاہوں پر جھگڑے کی اطلاع ملی تو اس نے ۱۵۸۰ء اودھے نگری کے ٹیلے پر شہر 'گجرات اکبرآباد' تعمیر کیا اور اس میں فوج اور قرب وجوار سے بہترین دستکار ہر علم وحرفت کے ماہرین اور تاجر لاکر بسائے۔ سجان رائے بٹالوی کی رائے میں گجرات کی آبادی پھر بھی بہت کم رہی لیکن جب پیر کبیر الدین شاہ دولہ دریائی شہر کی مشرقی 'شادولی دروازے' کے باہر دریا چناب کے کنارے آباد ہوئے اور انھوں نے دریا پر پل بنایا، تالاب، کنوئیں اور مسجدیں بنوائیں تو اس کی آبادی اور خوشحالی میں اضافہ ہوا۔ وہاں دنیا کی ہر نادر شے ملنے لگی اور ہر فن کا ماہر آکر بس گیا۔ کوفت سے سجے تلوار اور جمدھر، چکن سیالکوٹ سے بہتر عراقی گھوڑوں جیسی اعلیٰ نسل کی وجہ سے گجرات ہندوستان کے اہم تجارتی شہروں کی صف میں آ گیا۔(۷)

کمھاروں نے اپنی بھٹیاں پیر شاہ دولہ کے آستانے کے گرد بنالیں تا کہ شہر میں آگ اور دھوئیں سے فضا کثیف نہ ہو۔ ان کے آباد ہونے سے یہ علاقہ گڑھی کمھاراں کہلانے لگا۔ رفتہ رفتہ اور بھی دستکار آ کر آباد ہونے لگے اور برطانوی دور تک یہ علاوہ گڑھی شاہدولہ اور اس سے ملحقہ گڑھی مقبول آباد بھی آباد ہونے لگا۔ مغلوں کی سرپرستی میں آلات حرب پر کوفت گری سے سونے اور چاندی کی تاروں کے ساتھ بے مثال پھول بوٹے بنانے والے کوفت گروں نے گجرات کو ہندوستان کا اہم ترین مرکز بنا دیا۔ شاہی سرپرستی کے خاتمے کے بعد یہ مہنگا فن چند سجاوٹی گلدان، ڈش، پلیٹ، اگردان اور پاندان قلمدان وغیرہ تک محدود ہو گیا جو برطانوی دور کی صنعتی نمائشوں میں بہت پسند کیے جاتے اور گجرات کے کوفت گر انعامات کے حقدار ٹھہرتے۔(۸)

مغل دور میں گجرات کا شمار خوشحال شہروں میں ہونے لگا تھا اور اس کی تجارت بین الاقوامی سطح پر ہو رہی تھی اس لیے دوسرے علاقوں کی دستکاریاں اور ضروری برتن بھی بازار میں بکنے لگے۔ اس وقت دھات کے برتن اپنی جگہ بنا چکے تھے۔ قیمتی دھات سونا اور چاندی کے برتن امرا استعمال کرتے یا پھر بدھ خانقاہوں میں تبرکات رکھنے کے لیے جڑاؤ ڈبے بنائے جاتے۔ لوہا، لکڑی، کانسی سے کچھ مخصوص برتن بنتے۔ سونا اور پیتل ہندوؤں کے نزدیک مقدس تھا جبکہ مسلمانوں کے نزدیک مکروہ۔ مسلمان تانبہ استعمال کرتے تھے مگر دودھ دہی رکھنے کے لیے مٹی کے گھڑے اور چاٹیاں بھی استعمال کرتے تھے۔ پیتل اور تانبہ کے برتن گجرات میں نہیں بنتے تھے مگر درآمد کیے جاتے اور شوق سے استعمال کیے جاتے تھے۔ گاؤں خصوصاً شہروں کے باورچی خانوں میں پیتل کی گاگریں اوپر تلے سجا کر رکھی جاتیں۔ دیواروں پر لکڑی کی 'چھتیاں' لگا کر ان پر پیتل تانبے اور کانسی کے گلاس، جگ اور پلیٹیں سجائی جاتیں۔ یہ جھلملاتے سنہری برتن نہ صرف ضرورت کو پورا کرتے بلکہ سجاوٹ بھی بڑھاتے۔

گاؤں کی زندگی میں ابھی تک شہر کی چمک دمک داخل نہیں ہوئی تھی اس لیے ان کی زندگی سادہ رہی اور سادہ سے روایتی لال مٹی کے برتن عام دیہاتی گھروں کے سجاوٹی عناصر تھے۔مٹی کی چاٹی، گھڑا، پیالے، کنالی جس پر وہ کالے رنگ سے بیل بوٹے بناتے، پیتل تانبے کے برتنوں کے ساتھ سجے ہوتے تھے۔گاؤں کی زندگی کی حسین صبحوں میں فجر کے بعد گھریلو خواتین کام کاج سنبھال لیتیں مٹی کی چاٹی میں دودھ بلو کر مکھن اور لسی کا بندوبست کیا جاتا۔گاؤں کی ثقافت کا یہ پہلو رومانی اور روحانی احساس لیے ہوتا۔عورتوں کے لیے یہ محض روزمرہ کے کام نہ ہوتے بلکہ نسائی جذبوں کے اظہار کا ذریعہ ہوتے تھے۔دُکھ سُکھ سب انھی افعال سے جُڑے ہوئے تھے۔لوک گیتوں اور صوفیانہ کلام میں یہ ہی روزمرہ کے امور، یعنی پانی بھرنے، دودھ بلونے اور چرخہ کاتنے کو زندگی گزارنے کے مدارج، گناہ سے بچنے اور ثواب کے حصول میں ترغیب دیتے۔

پنجاب کی دیہی ثقافت میں گھڑا اور کنواں بہت اہمیت کے حامل ہیں۔گاؤں کی خواتین ٹولیوں میں بٹ کر سر پر اوپر تلے تین تین گھڑے رکھے، دو گھڑے کمر میں دائیں بائیں اُڑسے بڑی مہارت سے کنویں سے پانی بھر کر گھروں کو لاتیں۔کنواں ان کی خوش گپیوں کا مرکز بھی ہوتا گیت بھی گائے جاتے اور ہنسی مذاق بھی ہوتا۔ مغلوں نے کنویں کے پرانے نظام چرسہ (چمڑے کی تھیلی) سے پانی نکالنے کی بجائے ایک نئی ٹیکنالوجی دی جس میں ایک بڑی سی چرخی کے ساتھ مٹی کے گول پیندے والی گڑھیاں باندھ دی جاتی تھی۔کھاروں کے لیے زیادہ تعداد میں گڑھیاں یا ٹنڈ بنانے کا کام کافی منافع بخش ہوتا تھا۔(۹) گجرات کے چاہی علاقوں میں انھی کنوؤں اور رہٹوں سے زمینوں کو سیراب کرتے۔

حقہ نوشی کا رواج ایسے تھا جیسے آج کل سگریٹ نوشی کا ہے۔تمباکو اس وقت حقہ میں استعمال کیا جاتا تھا۔ حقہ کمھار، ترکھان اور لوہار کی مشترکہ کاوشوں سے تیار ہوتا۔کمھار مٹی کی ٹوپی بناتا، ترکھان لکڑی کی نالیاں اور لوہار لوہے کی مُنڈی۔جس طرح اسے مل کر بناتے تھے اسی طرح لوگ اسے مل جل کر پینا پسند کرتے تھے۔گاؤں کے ڈیروں میں سنجیدہ مسائل پر گفتگو ہو، مہمانوں کی تواضع ہو یا دوستوں کی محفل، حقہ ایک بھی ہوتا تو اسے باری باری کش لگانا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔دیہاتیوں کا خیال تھا کہ یہ فراغت کے لمحوں کا ساتھی اور پریشانی میں سکون آور ہے۔وقت کے ساتھ حقہ نوشی تقریباً ختم ہوگئی۔

پکی ہوئی لال مٹی (Terra cotta) کے اونچے مٹ اناج رکھنے کے کام آتے۔گول مٹ (بڑا مٹکا) تہواروں اور شادیوں میں سالن اور چاول بنانے کے لیے استعمال ہوتے۔گھڑوں اور صراحیوں کو پانی بھر کر ٹھنڈا رکھنے کے لیے لال کپڑا یا ٹاٹ سے ڈھانپ دیا جاتا تھا۔قدیم زمانے میں مٹی کے چھوٹے چھوٹے دیے روشنی کے لیے استعمال کیے جاتے۔مزاروں اور مندروں پر جلانے اور عرس اور شادیوں پر چراغاں کرنے کے لیے دیے جلائے جاتے۔مٹی کے وضو کا گول لوٹا جسے واڑھی کہا جاتا ہے عربوں نے متعارف کروایا۔(۱۰)

کمھارن مضبوط برتن یعنی ہانڈی، چاٹی، گھڑا اور کنالی بنانے کے لیے مٹی تالاب کی مخصوص تہوں سے

اور زمین کی کھدائی کر کے نکالتی ۔اسے خاص طرح کی مٹی کی پہچان تھی جبکہ چھوٹے نازک برتن، ٹھوٹھی، رکابی، کولی، دیے، پیالے اور خصوصاً کاغذی پیالہ کے لیے بہت نفیس مٹی 'مھل' نالے سے اس وقت لی جاتی جب ساون (کانگ) کا پانی اتر جاتا اور بھمبھر نالہ کے گڑھوں میں نرم ملائی جیسی مٹی تشکیل پا جاتی ۔آج بھی گجرات کے کاغذی پیالے بنانے والے کمھار محمد عارف کی پہلی پسند بھمبھر نالے کی مٹی ہے اور اس کے بعد 'بولے والی نالی'۔

یہ کمھار اپنے گھروں کے کمرے کے ایک کونے میں گڑھا کھود کر لکڑی کا چاک لگا دیتے جسے اس مناسبت سے 'ٹوے والا چک' یا 'پنجابی چک' کہتے ہیں ۔گھر کے صحن اور برآمدوں میں چھوٹا سا گڑھا کھود کر اناج کوٹ لینا، جولاہے کا گڑھا کھود کر اس میں ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ کر کپڑا بننا سب زمین کو استعمال میں لانے کے طریقے ہیں ۔یہ روایتی چک آج بھی استعمال ہو رہے ہیں ۔دوسرا چک زمین کے اوپر فٹ کیا جاتا ہے اور کسی بھی وقت اتار کر دوسری جگہ آسانی سے لے جایا جا سکتا ہے ۔اسے رام چک کہتے ہیں جسے کشمیری کمھار گجرات لائے اور اب پسرور میں ہانڈیاں بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔

کمھاروں کے برآمدوں میں مٹی ذخیرہ کرنے کی جگہ ہوتی ۔قدیم زمانے میں زمین کے نیچے رنگین گھمیال بنا کر مٹی چھ ماہ کے لیے جمع کر لیتے ۔صحن کا ایک کونا بھٹی یا آوی کے لیے مخصوص ہوتا ۔یہ آوی گول اور چار فٹ اونچی ہوتی ہے ۔اس کے علاوہ زمین پر آوی ہلکی سے ڈھلان میں لیٹی شادیوال میں کنالیاں بنانے کے لیے استعمال ہوتی ۔لال اور کالا رنگ وہ پہلے بھی زمین سے لیتے تھے اب بھی سیالکوٹ، ڈسکہ کی زمینوں سے لیتے ہیں ۔آج بھی چند کمھاران پرانی روایتوں کو قائم رکھے ہوئے ہیں مگر اب وہ تیزی سے ختم ہو رہے ہیں ۔

گاؤں کے کمھاروں کی ذمہ داری نہ صرف مٹی کے برتنوں کی فراہمی تھی بلکہ وہ فصل کی کٹائی کے وقت زمیندار کا ہاتھ بٹاتے ، کنوئیں کے لیے ٹنڈ اور گڑھیاں بناتے اور گڑ بنانے کے لیے بڑی بڑی کنالیاں بنا کر دیتے ۔اس کے عوض وہ اناج اور گنے کا رس اور گڑ پاتے ۔اس کے علاوہ کمھار بچوں کی شادیوں پر اور موت پر مطلوبہ برتن فراہم کرتا ۔بیٹے کی پیدائش پر مٹی کا چھوٹا سا گھوڑا بنا کر دیتا جو طاقت اور شہہ زوری کی علامت خیال کیا جاتا ۔شادی کے دن دولہا کو نہلانے کی رسم 'کھارا چڑھانا' کمھارن مٹی کی گھڑوی پانی سے بھر کر اور خوب سجا کر لاتی ۔دولہا کے عزیز و اقارب اور مراثی گیت گاتے اور دولہا پر پانی ڈالتے ۔پھر کمھار مٹی کے سات چھونیاں (گھڑے کا منہ بند کرنے والا ڈھکن) اوپر تلے رکھ دیتا اور دولہا اس کو پاؤں مار کر توڑ دیتا جس سے یہ خیال کیا جاتا کہ بُری بلائیں بھی ختم ہو گئیں ۔یہ رواج آج بھی رائج ہے ۔کمھار چونکہ سیپ یعنی مددگار ملازم ہوتے اس لیے کھانے اور کپڑے کے حقدار ٹھہرتے ۔بزرگ کمھاروں سے گفتگو کے دوران پتہ چلا کہ پاکستان بننے سے پہلے مسلمان کمھار ایک گھڑا شربت سیب بھر کر اور مٹھائی سے بھرے دونے سکھوں اور ہندوؤں کو دسہرہ دیوالی، ہولی کے تہواروں پر خیر سگالی کے طور پر دیتے جاتے ۔چونکہ کمھار عموماً مسلمان ہی ہوتے ، ہندو اور سکھ ان سے ہی

برتن خرید تے ۔ہندو کمھار اپنی عورتوں کو برتن بنانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔جبکہ مسلمان کمھاروں کی عورتیں تالاب میں چھلانگ لگا کر مطلوبہ مٹی بھی لے آتیں۔گیلے برتن رنگ کر کے سکھا دیتیں بعد میں پھول بوٹے بھی بنا دیتیں۔مگر برتن بنانے کی اجازت انھیں بھی نہ تھی جبکہ کمھار کی غیر موجودگی میں آوی سے پکے برتن بھی نکال لیتیں۔

گجرات کے مشاق کمھاروں کے خاندان مل کر اس کاروبار کو وسعت دینے لگے اور اس طرح کچھ گاؤں چھوٹے کاروباری مراکز بن گئے۔مثلاً چاٹی بنانے کے لیے کالرہ کلاں کا گاؤں اور کنالی بنانے کے لیے شادیوال کا گاؤں آج بھی مشہور ہے۔

مغلوں کے زوال کے وقت مسلسل انتشار، جنگیں اور بار بار کی قحط سالی سے معیشت متاثر ہوئی۔عام آدمی جو پہلے ہی سادگی پسند تھا، افغانوں، گکھڑوں اور سکھوں کے بار بار حملوں سے سکون سے جی نہیں پاتا تھا اور سر راہ ہونے کی وجہ سے گاؤں کے گاؤں خالی ہو جاتے تھے یا پھر حملہ آوروں کی لوٹ مار کے بعد نذر آتش کر دیے جاتے تھے۔(۱۱) اس مارا ماری میں گھر گرہستی کا تصور ہی محال تھا۔مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت میں حالات کچھ بحال ہوئے۔پنجابی ثقافت نے پھر قدم جمائے۔مٹی کے بنے برتن پھر عام استعمال ہونے لگے۔

برطانوی تسلط کے دور میں گھریلو صنعتوں کو عروج ملا۔انگریز ہر سال صنعتی نمائش کراتے لہٰذا ہندوستان کے طول و عرض سے بہترین دستکاریوں کو نمائش میں سجاتے اور دستکاروں کو انعامات سے نوازتے۔گجرات کو فت گری، پیشہ، ریشمی، سوتی پارچات اور لکڑی کے فرنیچر میں اہم مقام کا حامل تھا۔مگر رفتہ رفتہ انگریزوں نے مشینیں متعارف کروانا شروع کر دیں جس سے دستکار کا ہنر زائل ہونے لگا۔خام مال نہ ملنے کی وجہ سے بھی دستکاریوں کو زوال آنے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سی انگریزی اشیا مشین سے بنی ہوئی مارکیٹ کی زینت بننے لگیں جس سے آسودہ حال لوگوں کی ہاتھ سے بنی چیزوں میں دلچسپی جاتی رہی۔انگریز چینی اور شیشے کے برتن استعمال کرتے جو ہندوستان کے امرا کے گھروں میں بھی استعمال ہونے لگے۔

شہری طبقہ نفیس چینی کے برتن استعمال کرنا پسند کرتا تھا۔گو کہ پاکستان بننے سے پہلے یہ شوق صرف اُمرا تک محدود تھا، پاکستان بننے کے بعد معاشی اور تہذیبی تغیر برپا ہوا۔جموں سے ہجرت کر کے آئے سری پرتاب سنگھ ٹیکنیکل کالج سری نگر اور جمشید جی چچا بھائی اسکول آف آرٹس بمبئی سے فارغ التحصیل چودھری اللہ دتہ نے سفید چینی کے برتنوں کا پہلا کارخانہ پاکستان پوٹری فیکٹری ۱۹۴۸ء سرگودھا روڈ گجرات میں لگایا۔یہ سادہ سے برتن، پاکستان ریلوے، فوج کے Mess اور لاہور کے پوش ہوٹلوں میں استعمال ہوتے رہے اور گجرات کا نام روشن کرتے رہے۔چودھری اللہ دتہ کے پوتے حاجی ظہیر الدین نصرت نے بتایا کہ دادا کی بہن بھی برتنوں کی اشکال بنانے میں مدد کرتی تھی۔۱۹۸۲ مین چند وجوہات کی بنا پر کارخانہ بند ہو گیا۔۱۹۶۶ میں بننے والے پاکستان

انسٹیٹیوٹ آف سرامکس، گجرات کی اپنی پہچان تھی۔ گجرات میں دوطرح کے طبقات کے لیے سفید چینی مٹی کے برتن بنتے رہے۔ عام لوگوں کے لیے گڑھی شاہدولہ اور گڑھی مقبول آباد سے چاہ تر ہنگ، ایریا آف سمال انڈسٹریز میں لال مٹی اور سستی سفید مٹی کے کارخانے ساتھ ساتھ سستے کپ، پیالے، گلدان سجاوٹی اشیا بنا رہے ہیں۔ گو کہ ۲۰۰۰ء تک ان کی پیداوار عروج پر رہی مگر اس کے بعد بڑے کارخانے بند ہو گئے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ بجلی کا بحران بتایا جاتا ہے۔ آج بھی چھوٹی سطح پر چلنے والے کارخانے محدود تعداد میں مال بنا رہے ہیں جو کالری دروازہ میں برتنوں کے بازار میں بکنے آتا ہے۔ مٹی کا پیالہ چائے پینے کے لیے اور اس سے بڑے سائز کا پیالہ دہی کھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بھی مٹی کے کاغذی پیالے کی طرح ایک ثقافتی علامت ہے جو عام آدمی کی دست خرید میں ہے اور جس سے روایتی برتن میں کھانے کی آسودگی بھی پاتا ہے۔

پاکستان بننے کے بعد ہندوؤں کے چلے جانے سے ہندوؤں کے مذہبی رسوم میں استعمال ہونے والے برتن نا بننے کی وجہ سے برتنوں کی تعداد محدود ہو گئی۔ نو آزاد پاکستان سے دولت مند ہندوؤں کے جانے اور لٹے پٹے مہاجروں کے آجانے سے بہت سے سماجی اور معاشی مسائل حکومت اور عوام دونوں کو جھیلنے پڑے۔ مگر جو ثقافتی عناصر لوگوں کی معاشرتی زندگیوں میں جاگزیں تھے، جس تہذیبی دائرے میں سادہ عوام جی رہے تھے وہ کچھ عرصے کے بعد اس وقت ختم ہو گیا جب نئی معاشی پالیسیوں کا اعلان ہوا۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۰ء کی دہائی پاکستان کی معاشی اور ثقافتی اعتبار سے بڑی تبدیلی کا مظہر ثابت ہوئی۔ گاؤں کا جو نظام صدیوں سے رائج تھا وہ ٹوٹنے لگا۔ اب دستکاروں کے بچے اسکول جانے لگے۔ عام آدمی پر یورپ اور مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کے دروازے کھل گئے۔ خوشحالی سب سے پہلے پنجاب کے دیہاتوں میں جدید مشینری کی صورت میں آئی۔ مکان پکے اور شہری انداز میں بننے لگ گئے۔ زمینداروں کو کامدار اور فصل اُگانے اور کٹائی کرنے والے ''سیپ'' ملنا مشکل ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زراعت کاری سے لوگوں کی دلچسپی کم ہو گئی۔ اسی دور میں لوگوں نے تھیلے اور بوریاں بھر بھر کر پیتل تانبے کے برتن بیچنے شروع کیے۔ جنھیں پنکھوں کے کارخانے والے ہاتھوں ہاتھ خریدتے۔ پیتل تانبے اور کانسی کے خوبصورت منقش، بدری، کوفت گری، اور مینے کے کام والے قیمتی برتن کباڑیوں کو سستے سلور، پلاسٹک اور گھٹیا شیشے کے عوض بیچنے لگے۔ یہ وہ دور تھا جب مٹی کے برتن پسِ منظر میں چلے گئے اور سفید مٹی یا چینی مٹی کے برتن مقبول عام ہوئے۔ بازار اب پلاسٹک اور شیشے کے درآمدی برتنوں سے بھر گیا۔

سفید مٹی کے برتنوں میں عام لوگوں کی پسند سفید مٹی کا پیالہ ڈھیا یا بادیہ ہے اور لال مٹی کے پیالے، کاغذی پیالہ اور دیے آج بھی گجرات میں بن رہے ہیں وہ روایتی دیے جو گھروں مزاروں اور مندروں میں جلائے جاتے تھے، آج بھی مقبروں اور مہندی کی تقریبات میں ہماری روایت کا حصہ بن کر جگمگا رہے ہیں۔

رفتہ رفتہ مٹی کے برتنوں کو فراموش کر دیا گیا۔ روایتی دستی کام کرنے والے بھوکوں مرنے لگے۔ مگر پھر بھی چند ایک ایسے کمھار تھے جنھوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ آج بھی دیہاتوں میں آٹا کنالیوں میں ہی گوندھا

جاتا ہے اور دودھ مٹی کی چاٹی میں ہی بلونا پسند کیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دورِ جدید میں چاٹیوں کے ساتھ بجلی سے چلنے والی مدھانی استعمال ہوتی ہے اور کمھار بھی بجلی سے چلنے والی چک استعمال کرتے ہیں۔ یہ دورِ جدید کی ثقافت کا حصّہ ہے کہ اب دستی کام کے لیے وقت اور طاقت نہیں۔ اس لیے کنالیاں پلیٹیں جگ اور جائل مشینوں پر بنتے ہیں۔ مولڈ اینڈ کاسٹ کے جدید طریقہ نے آج کی تیز رفتار زندگی میں روایت پسند اور کم آمدنی والے لوگوں کے لیے پلاسٹک اور چینی میں ملنے والی مصنوعات کو مٹی میں ڈھالنے کی سہولت دے دی ہے۔ لالہ موسیٰ کے پاس صادق آباد کا سینٹر ایسے ہی جدید ڈیزائینوں کو مٹی میں متعارف کرا رہا ہے۔ مٹی کا پانی ٹھنڈا کرنے کا کولر، مٹی کے فانوس اور دروازوں پر باندھنے کی زنجیر والی گھنٹیاں، مٹی کے ڈنر سیٹ اور جگ گلاس ڈونگے اور چائے دانیاں چینی کے برتنوں کے ڈیزائنوں میں بنانا دلچسپ تجربے ہیں۔ پرانی روایت سے جدید دنیا کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی شناخت کو زندہ رکھنا انھی کمھاروں کا کام ہے جنھوں نے بہت نا ساز حالات میں اپنی روایت اور اپنی ثقافت کو زندہ رکھا۔

گو آج ہمارے گھروں میں پلاسٹک اور شیشے کی ہر چیز ہے، جو پائیدار ہے مگر اس میں مٹی کی خوشبو نہیں وہ گرمی نہیں جو مٹی کے برتن میں ہے۔ آج بھی جو لوگ ٹھنڈک اور مٹھاس چاہتے ہیں، وہ مٹی کے برتنوں کا ہی انتخاب کرتے ہیں۔ محرم ہو یا فاتحہ خوانی سب جگہ مٹی کی چھوٹی چھوٹی کٹوریاں ہی پسند کی جاتی ہیں۔ یہ برتن جو سادہ اور نفیس ہیں آج بھی دل کو کھینچتے ہیں جیسے کہ کاغذی پیالہ جو اتنا نازک اور ہلکا ہے کہ ہوا سے اڑ جائے جسے سوہنی کے نازک مکھڑے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ سوہنی یعنی نور بیگم جو مغل بادشاہ محمد شاہ کے زمانے میں طلا کمھار (عنایت اللہ) کی حسین بیٹی تھی۔ اس وقت گجرات بین الاقوامی تجارت میں اہم تھا اس لیے ازبکستان کے ایک تاجر نے یہاں کا رخ کیا۔ مٹی کے برتن خریدنے اور سوہنی کو دیکھنے کے بعد اس رومانی داستان نے جنم لیا جو لوک گیتوں اور صوفیوں کے کلام کا موضوع بنی۔ صوفی شاعروں شاہ حسین، فضل شاہ گجراتی اور دائم نے اس کی داستان کو منظوم انداز میں رقم کیا۔ سوہنی کچے گھڑے پر دریا عبور کرتے ہوئے ڈوب گئی۔ شاعروں نے کچے گھڑے اور اسی طرح گھڑا بھرنے اور لوئے لوئے بھرنے یعنی جلدی جلدی اندھیرا ہونے سے پہلے بھرنے کو انسانی زندگی میں موت سے پہلے اچھے اعمال کرنے کی علامت کے طور پہ پیش کیا ہے۔

ہندوؤں کے دیس میں مسلمان بادشاہوں اور صوفیا کے آ بسنے سے بہت بڑی تہذیبی تبدیلی آئی اور اسلامی دنیا کے رابطے سے نئی صنعتیں وجود میں آئیں۔ اس کے بعد انگریزی تہذیب نے بہت اثر ڈالا اور دستکاری کی گھریلو صنعتوں کو انڈسٹری میں بدل دیا اور مشین سے بنی چیزوں کو فروغ ہوا۔ پاکستان بننے کے بعد ایک نیا دور شروع ہوا مگر ثقافت اور تہذیب کی جڑوں کو مکمل طور پر ہلایا نہ جا سکا۔ گو آج ہمارا رہن سہن یورپ اور امریکہ کی طرح ہو چکا ہے، آئے روز ایک نئی ٹیکنالوجی ہماری تن آسانی کو بڑھانے اور وقت کو بچانے کے لیے

متعارف کروادی جاتی ہے مگر روایتیں ہمارے اندر آج بھی زندہ ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ جدید زمانے کے تقاضے ہمیں بیٹھ کر وہ لوگ گیت گانے نہیں دیتے جو زبان زدعام وخاص ہوتے تھے، وہ کہاوتیں نہ رہیں جو سفال گری کو صوفیا کے استغنا سے منسوب کرتی تھیں، جو جام سفال کو جام جمشید سے بہتر خیال کرتی تھیں۔ دھات، سلور، شیشہ، چینی، پلاسٹک میں سے کتنے ہی برتن اب متروک ہو چکے ہیں اور جو ہیں ان میں آج بھی مٹی کے برتن اپنی سادگی، پاکیزگی اور ہیئت کی خوبصورتی اور اپنی افادیت کی وجہ سے قائم ودائم ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(1) Rose, Horace Arthur, A Glossary of the Tribes and Castes of the Punjab and Northeastern Frontier Province: Based on the census report for the Punjab,1883, Lahore: Civil &Military GazettePress,1911,P.568

(2) Perryman, Jane, Traditional Pottery of India, London: A&C Black Publisher, 2000, P.15

(3) Rehman, Abdul and James L, Wescoat, Pivot of Punjab: The Historical Geography of Medieval Gujrat, Lahore: Dost Associates, 1993, P.15

(4) Cunningham, Alexander, The Ancient Geography, London; Turbo & Co, 1821,P. 162

(5) Watts, George, Percy Brown, Arts and craft of India: A Discriptive Study, New Dehli: Cosmo Publications, 1979. P. 80-81

(6) Birdwood,G.C.M, The Arts of India, Sussex:The British Company, 1986.P.305

(۷) سجان رائے بٹالوی، خلاصۃ التواریخ، مترجم ڈاکٹر ناظر حسین زیدی، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۱۱۷

(8) Watts, George, Percy Brown, Arts and craft of India: A Discriptive Study, New Dehli: Cosmo Publications, 1979. P. 80-81

(۹) ظہیر الدین بابر، تزک بابری، مترجم رشید اختر ندوی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص ۱۹۹۔

(۱۰) Rehman, I,A, Arts and Crafts of Pakistan, Karachi: 1988, P23

(۱۱) مرزا عظیم بیگ، تاریخ گجرات، لاہور: وکٹوریہ پریس، ۱۸۷۰ء، ص ۱۸

✿✿✿